آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ

اسلام کے مزاج کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اشخاص سے زیادہ ان کارناموں کی عزت کرتا ہے جو کسی بڑے شخص سے صادر ہوں۔ اس لیے صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ ہدیٰ میں سے کسی نے بھی کسی بڑے آدمی کا جنم دن یا موت کا دن منانے کی کوشش نہیں فرمائی۔ اس رسم کی اسلام میں اگر کچھ اہمیت ہوتی تو اکابر صحابہؓ کی پیدائش کے دن ضرور ہی منائے جاتے۔

عوام نے پیدائش کے دن کو میلاد کے دن سے تعبیر کیا اور موت کے دن کو عرس کا نام دیا، لیکن یہ رسم صدیوں بعد بنائی گئی۔ اور عموماً ایسی رسوم کا اہتمام وہی لوگ کرتے ہیں جنھیں ان سے کچھ نہ کچھ مالی فائدہ ہوتا ہو، عوام بیچارے عقیدت کی وجہ سے خسارے ہی میں رہتے ہیں۔

ابتدائے اسلام سے اکابرِ اسلام کی پیدائش اور موت کے دن کا اہتمام کیا جاتا تو شاید سال کا کوئی دن بھی کسی میلاد شریف یا عرس شریف سے خالی نہ ہوتا۔ امت میں بحمد اللہ پاک لوگوں کی کمی نہیں تھی۔ اگر ان کے واقعات اور حوادث کو بطورِ ایام منایا جاتا تو یقیناً بہت سے ضروری اور اچھے کاموں کے لیے وقت ہی نہ رہتا، سارا وقت مرنے والوں کے احترام اور اہتمام میں گزر جاتا اور زندوں کی اصلاح اور تعمیر کے لیے شاید ہی تھوڑا بہت وقت نکلتا۔ رجال، سیرت، اور وفیات کی کتابوں میں اپنے اکابر کے تذکرے پڑھیے اور پھر ملاحظہ فرمائیے، کیا ان سب حضرات نے عرس اور موالید کے اہتمام فرمائے؟ شاید گداگر اور مُلّا حضرات تو اس کاروبار کو کر گزریں کہ انھیں اس سے کافی حد تک معاشی سہولتیں میسر آجاتی ہیں، لیکن عامۃ المسلمین کے لیے اس میں بے کاری اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

یہ رسم اہلِ اسلام میں غیر مسلم قوموں کی تقلید سے آئی۔ مغربی قومیں غالباً پیدائش کے دن مناتی ہیں، مگر مشائخ اور اکابر کے مرنے پر ان کے ہاں بھی عرس کا کوئی انتظام نہیں۔ عرس کی رسم شاید ہندوؤں میں بھی نہ ہو۔ یہ صرف دوکاندار قسم کے متاخر صوفیوں نے ایجاد کی ہے جس کا

نتیجہ قبر پرستی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔

محفل میلاد یہ وہ چیز ہے جسے ان حضرات نے کفر اور اسلام میں فرق کرنے والی شئے تصور کیا ہے، کہ جو اس رسم میں شریک نہ ہو اسے ابلیس کا ساتھی سمجھتے ہیں۔ آج کل یہ رسم بھی غیر مسلم فرقوں کی نقالی میں منائی جا رہی ہے، قرونِ خیر اور ائمہ اسلام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کم علم ملّا اسے غیر مسلموں کی تقلید ہی میں مناتے ہیں۔ حافظ ابو شامہ (متوفی ۶۶۳ھ) نے "الباعث علی انکار البدع والحوادث" میں فرمایا:

"اوّل من فعل ھذا بالموصل الشیخ عمر بن محمد الملا احد الصالحین المشھورین وبہ اقتدی صاحب اربل۔" مع

یعنی "سب سے پہلے میلاد منانے کا فعل ملّا عمر بن محمد نے، جو مشہور نیک آدمی تھا، شروع کیا۔"

واضح رہے یہ بدعت قریباً ۶۰۴ھ میں ایجاد ہوئی۔

ملّا عمر بن محمد موصل کے رہنے والے تھے۔ اربل موصل کے قریب ہے، یہاں کے رئیس ابو سعید مظفر الدین ابوالحسن علی بن سبکتگین نے اسے بہت نمایاں کیا اور اس بدعت کو بہت فروغ دیا۔ مورخ ابن خلکان ملک مظفر الدین کوکبوری کے بہت ہی ممنون معلوم ہوتے ہیں کہ انھوں نے اسے کافی پھیلا کر ذکر کیا ہے۔ وہ اس کے محاسن میں لکھتے ہیں:

"لم یکن لہ لذۃ سوی السماع فانہ کان لا یتعاطی المنکر۔"

(ابن خلکان ص۲۳۶ ج۲)

"وہ سماع سے محظوظ ہوتا تھا اور برائیوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔"

اس کے بعد ابن خلکان نے محفل میلاد کا مبسوط تذکرہ مزے لے لے کر کیا ہے، فرماتے ہیں:

"اوائلِ محرم میں بغداد، موصل، جزیرہ، سنجار، نصیبین اور عجم کے شہروں سے فقیہ، صوفی، واعظ، قاری اور شاعر آنے شروع ہو جاتے تھے۔ اور ملک مظفر الدین ان کے لیے چار چار پانچ پانچ منزل لکڑی کے خیمے لگواتا تھا۔ سب سے بڑا خیمہ بادشاہ کا ہوتا، باقی ارکانِ دولت کے خیمے ہوتے۔ اوائلِ صفر انھیں سجایا جاتا اور مغنّی اور ڈرامہ کرنے والے، مختلف قسم کے کھلاڑی یہاں فروکش ہوتے

اور لوگ کاروبار ترک کرکے ان محفلوں میں مشغول ہو جاتے اور بادشاہ ہر خیمہ کے پاس سے عصر کے بعد گزرتے گانا سنتے اور ڈرامہ دیکھتے۔ تمام رات گانا سننے کے بعد صبح شکار کے لیے چلے جاتے اور میلاد ایک سال ۸ ربیع الاول کو مناتے اور ایک سال ۱۲ ربیع الاول کو ـــــ یہ اس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت میں اختلاف ہے۔ پھر اونٹ اور گائے اور بکریاں سجاکر نکالتے اور ان پر طبل اور گانے بجانے کا سامان لادکر میدان میں لے آتے، پھر انھیں ذبح کرکے پکانا شروع کردیتے۔ پھر میلاد کی رات سماع کی محفلیں گرم ہوتیں اور شمعیں جلائی جاتیں۔ میلاد کی صبح صوفی صاحبان کو قطاروں میں کھڑا کرکے ان کے سروں پر خلعتوں کے بگچے رکھ دیتے اور بادشاہ لکڑی کے خیمہ لگانے والوں اور صوفی صاحبان اور ان کے ساتھ فوجوں کا نظارہ دیکھتے۔"

(ص ۱۴۲ ج ۲)

اس بادشاہ کے عہد میں ابوالخطاب عمر بن دحیہ بن خلیفہ نے ایک کتاب ــــ "التنویر فی مولد السراج المنیر" ـــــ لکھی، جس میں موضوعات اور اکاذیب جمع کیے اور ایک ہزار روپیہ انعام پایا۔

اور یہ کوکبوری جب حلوہ یا کوئی میوہ کھاتے تو بقیہ ان صوفی فقراء اور شیوخ کو بھیج دیتے۔ اور اکیلے کھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ مظفرالدین کوکبوری کا انتقال ۶۳۰ھ میں ہوا۔ یہ بدعت، ساتویں صدی ہجری کے شروع میں یا چھٹی صدی کے آخر میں شروع ہوئی۔ حافظ ابن کثیر نے ۶۳۰ھ کے واقعات میں مظفرالدین کوکبوری کے تذکرہ میں وہاں کے بعض مصارف کا ذکر کیا ہے۔ پانچ ہزار جانور بھنا ہوا، دس ہزار مرغی، ایک لاکھ پرند، تیس ہزار پلیٹ حلوہ شریف۔ بڑے بڑے صوفی صاحبان اس محفل میں شریک ہوتے۔ ظہر سے صبح تک قوالی ہوتی، صوفی صاحبان قوالی سنتے اور ناچتے۔

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "مظفرالدین اس محفل پر ہر سال تیس ہزار دینار صرف کرتے تھے۔"

کوکبوری "سنت"

مروجہ محفل میلاد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ سے ثابت نہیں، البتہ اس کو مظفرالدین کوکبوری اور ملا عمر بن محمد کی سنت سمجھنا

چاہیے۔ نیز یہ امید رکھنی چاہیے کہ اس میں مزید کچھ اضافے ہوئے ہوں گے۔ کوکبوری نے تو اتنا کرم کیا کہ شہر سے باہر میدان میں یہ میلاد رچایا ـــــ جس کا جی چاہا چلا گیا۔ جس نے ناپسند کیا نہ گیا۔ اب بازاروں کا چکر کاٹنا ـــــ یہ اضافہ غالباً مرحوم عبدالمجید قرشی مقیم پٹی نے کیا ـــــ اور ہمارے ملا حضرات نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی شبیہ اور قوالیوں کے ساتھ فلمی گانوں کا اضافہ کر کے اس تماشہ کو دو آتشہ کر دیا ہے۔ حکومت نے ملا حضرات کے لیے کھانے کا تو انتظام نہیں کیا، البتہ اسے جاہل امیروں کے سپرد کر کے خود الگ ہو گئی۔ اور صورت یہ ہو گئی ہے کہ کوکبوی سنت پر عمل فرماتے ہوئے اس میں ناچ اور رقص کا اور اضافہ ہو گیا۔ اور بڑے بڑے سفید ریش ملا صاحبان بیل گاڑیوں پر تشریف رکھے ہوئے ناچتے اور رقص کرتے ہیں۔

دُور اندیش اہلِ علم

اس پر جہاں گوشت، اور حلوہ کے عاشق کوکبوری سنت پر عمل کرتے ہوئے اہل کی اس محفل میں شکم پروری کے لیے پہنچتے تھے، وہاں دُور اندیش اور سنتِ نبوی پر عمل کے عاشق اس ہنگامۂ لحم و شیرینی کے خلاف تنقید کا بھی فرض انجام دے رہے تھے۔ مثلاً علامہ ابن الحاج اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ اور علامہ شاطبی مؤلف "الاعتصام" وغیرہم رحمہم اللہ۔

امام ابو عبداللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری المتوفی ۷۳۷ھ المعروف بابن الحاج نے اس بدعت کے متعلق تفصیلاً لکھا ہے اور ساتویں صدی کے اواخر تک محفلِ میلاد کے ضمن میں جس قدر بدعات رونما ہو چکی تھیں، اُن کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے:

"(فصل فی المولد) ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذالك من اكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه فی شهر ربيع الاوّل من المولد وقد احتوی علی بدع ومحرّمات جملة فمن ذالك استعمالهم المغانی ومعهم آلات الطّرب والطار المصرصر وغير ذالك ممّا جعلوه آلة السّماع الخ"

(المدخل لابن الحاج ص۲۶۱ ج۱)

"لوگوں کی پیدا کردہ بدعات سے ایک بدعت محفلِ مولد بھی ہے۔ جسے یہ ربیع الاوّل میں رچاتے ہیں۔ اور محفلِ قوالی کے علاوہ طنبور، طار اور دوسرے گانے بجانے کے آلات استعمال کرتے ہیں جو محرمات میں شامل ہیں۔"

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

"بعض لوگ اس گانے بجانے کے بجائے قراء اور فقراء کو کھانا کھلاتے ہیں لیکن یہ کھانا مسکین کی خدمت کے ارادہ سے نہیں بلکہ مولد کی نیت سے ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی بدعت ہے۔ وقد تقدم انہ اذا اطعم الاخوان لیس الا بنیۃ المولد ان ذالک بدعۃ"

بعض لوگ اس دن بخاری پڑھتے ہیں۔ گو حدیث پڑھنا پڑھانا بہت بڑا عمل ہے، لیکن خاص اسی دن میں اس نیت سے کیا جائے تو یہ بھی بدعت ہے۔

بعض لوگ بعض رسوم اور مسرت کے مواقع پر اپنے دوستوں کو تنبول کے طور پر روپیہ دے دیتے ہیں اب واپس مانگتے شرماتے ہیں تو وہ محفل میلاد کے بہانہ سے اپنا روپیہ وصول کرتے ہیں"

اس کے بعد ابن الحاج نے مولد کے بہانہ سے جمع زر کی کئی قسمیں بیان فرمائی ہیں، اوران سب کو بوجوہ حرام اور گناہ لکھا ہے" (ص ۲۸۰)

اس کے علاوہ بھی بہت سے علماء نے اس عمل کو بدعت اور حرام لکھا ہے تو اس کی اگر ضرورت ہوئی تو اس کی تفصیل کسی دوسرے موقعہ پر دی جائے گی۔

معلوم ہو چکا ہے کہ ساتویں صدی کے آغاز (۶۰۴ھ) میں یہ بدعت شروع ہوئی۔ صدی ختم ہونے تک اس میں بیسیوں قسم کے منکرات پیدا ہو گئے۔ اور پھر برسوں تک یہ بدعت متروک رہی۔ اب انگریز کے آخری دور میں ہندوؤں کے بزرگوں کے جنم دن کی تقلید میں اسے پھر سے شروع کیا گیا۔ حکومت نے لاعلمی کی وجہ سے اسے دین کا مسئلہ سمجھ کر اس میں نیم سا تعاون کیا۔ اب ملا حضرات نے پھر اسی پیٹ کے دھندے کو اپنا کر پیٹ اور محفل کی رونق کا سامان مہیا کر دیا ہے، حالانکہ آج کل اس میں اور مفاسد پائے جا رہے ہیں۔ مثلاً عورتوں کی بے آبروئی اور فواحش کی گرم بازاری، اس طرح یہ محفل بدکاری کا پیش خیمہ بن رہی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت کے نام پر فسق و فجور کو رواج دیا جا رہا ہے۔

کم علم ملا حضرات اپنے انتقامی جذبات کی تسکین بھی اسی بہانہ سے کر لیتے ہیں۔ بیل گاڑیوں پر بیٹھ کر اہلِ توحید کی مساجد اور مجالس کے سامنے ہنگامہ آرائی کر کے بداخلاقی کا ثبوت دیتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ حکومت کے تعاون کی آڑ میں ہو رہا ہے۔

میرے نزدیک یہ فعل بدعت ہے اس میں کتنی بھی تقدیس پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، میں اسے گناہ سمجھتا ہوں لیکن ہم ایسے اسلامی ملک میں رہ رہے ہیں جس کے حکام اور ارباب اقتدار اسلام کی تعلیمات سے بے خبر ہیں۔ یہاں ان بدعات کو اسلام پسندی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، پھر اس میں فواحش کا ارتکاب ہوتا ہے اور ہم ان کو بجبر رد کنے پر قادر نہیں۔

اندریں حالات اصل مطالبہ تو ہمارا یہی ہے کہ مسلمانوں کی حکومتِ پاکستان کو اسلام کے خلاف سب چیزیں بند کردینی چاہئیں۔ لیکن عوام اگر اپنے کم علم مولویوں کے بہکاوے میں آکر ان غیر اسلامی اشغال واعمال کو "اسلامی" قرار دینے پر ہی مُصر ہیں تو حکومت میں پڑھے لکھے لوگ بھی آخر موجود ہیں، انھیں اصل حقیقت کو سمجھ کر اس پر عمل کرانے کے لیے انتظامیہ کی مشینری کو حرکت میں لانا چاہیے۔ تاہم ظاہر ہے کہ اربابِ اقتدار کو مذکورہ بالا ظاہر و باہر بات کا موجودہ حالات میں باور کرانا سخت مشکل ہے، اس لیے پچھلے دنوں میں نے ایک پریس کانفرنس بلاکر نفسِ مسئلہ سے قطع نظر صرف معاشرتی نقطہ نظر سے اربابِ اقتدار کو جھنجوڑنے کی غرض سے چند تجاویز پیش کیں، جن سے مقصد یہ تھا کہ اس گناہِ عظیم کو کسی وجہ سے حکومت اگر فوری طور پر روک نہیں سکتی تو اس کو کم ازکم اپنے اور ہر شریف آدمی کے نقطۂ نگاہ سے ہی دیکھنا چاہیے کہ اس میں بدعات کے ساتھ شرک اور فواحش کی دن بدن کثرت ہوتی جارہی ہے۔ اور بہت سی قومی دولت بھی ضائع کی جارہی ہے۔ سردست اس پر ہی قدغن لگائی جائے۔

نیز ان بدعاتِ شنیعہ سے بدکاری اور عریانی کے ان نئے رجحانات کو بھی خارج کیا جائے تاکہ برائی کے دلدادہ اور بدقماش لوگوں کو کھل کھیلنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

علاوہ ازیں ان بدعات کی تبلیغ و اشاعت ایسے انداز سے جاہل ملّاؤں کا ایک طبقہ کرتا ہے جس سے مسلمانوں میں تفرقہ بڑھتا ہے اور فرقہ وارانہ تعصّب کی آبیاری ہوتی ہے۔ اور "ظلمات بعضها فوق بعض" کے مصداق برائی کی تہوں میں برابر اضافہ ہورہا ہے۔

اس ضمن میں میری رائے بالکل واضح ہے کہ عوام کے سامنے میلاد کی محفلوں کے بدعت ہونے کی وضاحت تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سے ضرور کی جائے، اور بحمداللہ ہماری جماعت نے بالخصوص ہمیشہ کی ہے۔ لیکن جو لوگ اس بدعت کو چھوڑنے کے لیے کسی طرح

تیار نہ ہوں تو ان کو اس پہ آمادہ کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے کہ خدا کے لیے فواحش، عریانی، قومی دولت کے ضیاع اور تفرقہ پردازی سے تو یہ "عاشقانِ رسول" ان محفلوں کو بچائے رکھیں۔

(الاعتصام ۴ ستمبر ۱۹۶۱ء)

میلاد کی شرعی حیثیت

"وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ــــ القرآن ــــ تا وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ"۔

ان آیات میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو آنے والے رسول کی بشارت دی اور ان کا اسم گرامی بھی بتا دیا۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل اس وقت سے لے کر برابر آپؐ کے انتظار میں تھے۔ چنانچہ انھوں نے یحییٰ علیہ السلام سے بھی دریافت کیا، آیا تو وہ نبی ہے؟ تو انھوں نے انکار کر دیا۔ دوسری طرف قبائلِ عرب اپنی باہمی آویزش کی بنا پر بھی شدید منتظر تھے کہ آخری رسولؐ کی رفاقت میں ہم اپنے حریفوں پر غالب آکر سیاسی اور ملکی اقتدار حاصل کریں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نومولود بچوں کا نام اس امید پر محمد رکھتے کہ شاید یہی وہ موعود پیغامبر ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ کی بشارت اور ولادت کے درمیانی زمانے میں سات اشخاص محمد نامی ہو چکے ہیں۔ احمد اور محمد دونوں ناموں سے کتبِ سابقہ میں آپؐ کا تذکرہ ملتا ہے۔

بشارتِ عیسیٰؑ کی تصدیق

جب سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور دعوائے نبوت و رسالت کیا تو ایک موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"انا محمد و انا احمد و انا العاقب انا دعاء ابی ابراھیم و بشارۃ عیسیٰؑ"۔

"میں ہی محمدؐ ہوں۔ میں ہی احمدؐ ہوں اور میں ہی سب سے آخر میں آنے والا نبی ہوں۔ میں ہی اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا مظہر ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔"

اس شہرہ و انتظار کے باوجود تاریخِ ولادت میں اختلاف پتہ دیتا ہے کہ اس قسم کے موالید اور ایام اسلام کے مزاج سے چنداں مناسبت نہیں رکھتے۔

تاریخِ ولادت میں اختلاف

آپؐ کی تاریخِ ولادت میں کئی اقوال ملتے ہیں۔ ایک جگہ ربیع الاول کی دو تاریخ مذکور ہے۔ آٹھ کی بھی صراحت ہے۔ دس، بارہ، تیرہ اور ستائیس کا بھی ذکر آیا ہے۔ ان سب تاریخوں میں آٹھ ربیع الاول زیادہ راجح ہے۔

روایاتِ متعلقہ ولادت کا غلط ہونا

آج کل ہمارے واعظین منبروں پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و نجابت کے ثبوت کی خاطر جہاں اور بہت سی بے سروپا کہانیاں بیان کرتے ہیں وہاں یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ نے اپنے بطنِ اطہر سے ولادت کے موقعہ پر غیر معتاد مناظر دیکھے۔ اور ایسی بہت سی غیر معمولی باتیں واقعۂ ولادت کے ساتھ چسپاں کرتے ہیں۔ ایسی باتوں کی سند پر بحث کرنا فنِ حدیث کا وظیفہ ہے۔ عقلی طور پر اگر سوچا جائے تو مطلع صاف ہو جاتا ہے اور کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ کیوں کہ اگر واقعی ایسے غیر معمولی مناظر رونما ہوئے تھے جیسا کہ یہ وعظ پیشہ حضرات بیان کرتے ہیں تو تاریخِ ولادت میں اتنا اختلاف کیوں رونما ہوتا؟ آپؐ کی سیرت و تاریخ لکھنے والوں نے جہاں آپؐ کی پوری زندگی قلم بند کر دی اگر ولادت کے موقعہ پر کوئی غیر معمولی واقعہ ظہور پذیر ہوتا تو جہاں دوسرے واقعات مثلاً ہجرت غزوات فتوحات کی تاریخیں بلا اختلاف منضبط ہیں، یہ تاریخ بھی بلا کسی اختلاف کے مذکور ہوتی۔

مخالفینِ سنّت سے ایک سوال

جب روزمرہ کے معاملات میں کہیں احادیثِ نبویہ میں اختلاف نظر آئے تو ہمارے اہلِ قرآن بجائے اس کے کہ اس میں کوئی درمیانی صورت نکال کر احادیث میں تطبیق و توفیق کی راہ اختیار کریں، سرے سے حدیث ہی کا انکار کر دیتے ہیں کہ حدیث کوئی شئے نہیں، کیوں کہ اس میں اختلاف

ہے۔ اب اگر یہی اصول تاریخ ولادت کی مختلف روایات پر چسپاں کیا جائے تو کیا ہمارے دوست فرمادیں گے کہ واقعۂ ولادت غلط ہے، نعوذ باللہ من ذالک!

اگر کوئی صاحبِ بصیرت مجسٹریٹ کسی واقعہ کی مختلف شہادتوں کو سن کر اصل واقعہ کے انکار کا فیصلہ نہیں دے سکتا، اگر کسی شہر کی آبادی میں مردم شماری کی رپورٹیں مختلف ہوں تو نفسِ آبادی کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مسئلہ میں مختلف روایات دیکھ کر ہم نفسِ حقیقت ہی کا انکار کر بیٹھیں۔ بہرحال روایاتِ ولادت کا اختلاف ہمارے مخالف دوستوں اور ہمارے نعت خوان اصحاب کے لیے غور طلب حقیقت ہے۔

میلاد کا شرعی مقام

شریعت کو کسی بڑے سے بڑے انسان کی موت و حیات سے اس طرح کی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ عبادت اور ثواب سمجھ کر اس طرح سالگرہ منائی جائے اور عید میلاد منعقد کی جائے۔ یا نوحہ یا ماتم کر کے اظہارِ غم کیا جائے آخر اتنے انبیاءؑ و اصفیاء عالمِ شہود میں آئے اور بے شمار نہایت بے دردی سے شہید کر دیے گئے، اب اگر ہم ایک ایک کی عید میلاد منائیں یا ایک ایک کا ماتم کریں تو دن میں کئی بار تو میلاد کی محفلیں سجانا پڑیں اور کئی بار غم واندوہ کا اہتمام کرنا پڑے۔

یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی رسالت کا تئیس سال کا زمانہ اور خلافت کا تیس ۳۰ سال کا عرصہ دیکھ جائیں، کہیں بھی آپ کو ایسی کوئی تقریب نظر نہیں آئے گی۔ نہ خود شارع علیہ السلام نے اپنی سالگرہ منائی نہ اپنے اکابر واجداد کی کوئی عید میلاد منعقد کی، اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے ایسا کوئی ڈھونگ رچایا۔ سوائے دو عیدوں کے وہاں کوئی تیسری عید نظر نہیں آتی۔ عید میلاد کا اہتمام تو کجا، ان میں سے کسی کو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ یہ بھی کوئی ثواب کا کام ہے، حالانکہ ہم محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کرامؓ کی گردِ راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

عید میلاد کو سب سے پہلے سلطان ابوسعید علی بن سبکتگین نے چھٹی صدی ہجری میں شروع کیا، بعد میں جب مصر پر سنیوں کا غلبہ ہوا تو یہ بدعت ختم ہوئی پھر سلطان مظفر نے چھٹی صدی ہجری کے آخر میں اس کو شروع کیا۔ سلطان مذکور بہت سادہ لوح اور جذباتی آدمی تھا۔ میلاد کی تقریب منانے کے لیے ماہِ صفر میں تیاری شروع کر دیتا۔ ہر قسم کے قوال، گانے بجانے والے اور غزل خوان واعظ اکٹھے ہو جاتے اور بے شمار قسم کے کھانے پکائے جاتے۔ پھر رفتہ رفتہ یہی فتنہ طول پکڑتا ہوا عید بن گیا۔ بعد ازاں جب زناکاری اور بدمعاشی جیسے نتائج بد سامنے تو سلطان کو یہ تقریب

بند کر دینی پڑی۔

ہندوستان میں جہاں اور بہت سی بدعتیں فتوحاتِ اسلامیہ کے بعد آئیں، محفل میلاد بھی اپنے تمام لوازم کے ساتھ سارے ملک میں چھا گئی۔ جاہل ملّاؤں اور خود غرض پیڈتں نے اس کی نزاکتِ شان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بدعت کو خوب ہوا دی۔ قرآنی آیات کی تحریف اور ترمیم کرکے احادیث کے عمومات کو غلط موقعہ پر محمول کرتے ہوئے اس کے جواز کی کوشش کی گئی۔ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر جذبات کو اس قدر اچھالا گیا کہ یہ رسم ایک میلہ اور ہنگامہ وتماشہ بن کر رہ گئی۔

محبت کا معیار

محبت کا معیار نعرہ بازی نہیں اور نہ عشق کا تقاضا ریاکاری اور دکھلاوا ہے۔ محبت زمانی اور مکانی نہیں ہوتی۔ الفت دائمی تعلق کا نام ہے، جو محب کے دل پر اور اس کی زندگی پر ہمیشہ کے لیے غالب رہے۔ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نعرہ لگانا آسان ہے لیکن محب بننا مشکل۔ اگر محب بننا ہو تو صحابہ کرامؓ، مہاجرین عظامؓ، انصارِ مدینہ رضؓ، شہدائے احدؓ، مجاہدینؓ بدر اور خصوصًا مکی زندگی میں اسلام قبول کرنے والے فرشتہ سیرت لوگوں کی شیفتگی اور والہانہ عقیدت اور سراپا جاں نثاری سے سبق لینا ہوگا۔ محبت موسمی چیز نہیں کہ ربیع الاول میں تو سیلاب بن کر آئے اور باقی سارا سال آپ کو احساس تک نہ ہو کہ آپ کا کوئی رسول بھی ہے۔

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں لیڈروں کی سیاسی چالیں

جن لوگوں کو نماز روزہ سے کوئی واسطہ نہیں، اور یہی نہیں بلکہ سارے اسلام سے بھی دور کا تعلق نہیں، مگر اس کے باوجود جاہل عوام سے ووٹ کے خواہش مند ہیں تاکہ سیاسی اقتدار حاصل کریں۔ ایسے حضرات اپنے اسلام کی نمائش کے لیے کبھی عید میلاد کا ڈھونگ رچا دیتے ہیں، کبھی معراج کا نام لے کر کوئی ہنگامہ اور شور برپا کیا جاتا ہے، حالانکہ ان مراسم کی حیثیت اسلام میں ریاکاری اور تماشہ سے زیادہ نہیں۔ اسی حقیقت کو قرآنِ کریم نے دین کو کھیل اور تماشہ بنانے سے تعبیر کرکے اس سے منع کیا ہے۔ ایسے اقدامات سے ان کا مطلب تو پورا ہو جاتا ہے مگر اسلام کو ان جلوسوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ کاش یہی مال اور روپیہ جو ان فضول اور غیر ضروری کاموں پر خرچ ہو رہا ہے، غربا و مساکین پر خرچ ہوتا، یا اس روپیہ سے سیرت کی کتابیں خرید کر مفت

تقسیم کی جائیں، تاکہ عوام کا ذہن درست ہو اور ان میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت ہو۔ یا اشاعتِ کتاب وسنت کے دوسرے کاموں پر اس کو خرچ کیا جاتا تو بلاشبہ یہ ایک کام ہوتا۔ رہ گئی وہ قوم جو اپنے مقصدِ حیات کو فراموش کر بیٹھی ہے، جو ساٹھ ہزار مساجد کو ویران چھوڑ کر یہاں اس لیے آئی ہے تاکہ میلاد کا جلوس نکال کر سیاسی اقتدار حاصل کرے، تو ایسی قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔ اور پھر جس قوم کے لیڈر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر اپنی لیڈری چمکائیں اور جو زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بار بار لائیں، مگر جب ووٹ کا وقت آئے تو قوم اور اس کے لیڈروں کی ہمدردیاں ـــــ سنت کی بجائے بدعت سے ہوں، تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا ہی کی جا سکتی ہے۔

(الاعتصام: ۶ر جنوری ۱۹۵۰ئ)

اقوالِ زرّیں

(۱) ماں باپ کی خوشنودی دنیا میں باعثِ دولت، اور آخرت میں باعثِ نجات ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیق رض)

(۲) انسانوں سے امیدیں قائم کرنے کی بجائے اللہ کے سامنے انکساری کرو۔ (حضرت علی رض)

(۳) علم وحکمت پیغمبروں کی میراث ہے، اور مال و زر فرعون و قارون کی۔ (حضرت ابوبکر صدیق رض)

(۴) معافی سے بہتر اور کوئی انتقام نہیں۔ (حضرت علی رض)

(۵) زندگی وہی ہے جو وفاداری، نیکی اور شرافت سے عبارت ہو۔ (حضرت علی رض)

شہرت وہی ہے جو نیکی اور خدا ترسی کے صلے میں ملے۔ (حضرت علی رض)

(۶) محبت کا رشتہ دل سے ہے ـــــ وہ ظاہری محبت فضول ہے جس کا تعلق دل سے نہ ہو (حضرت علی رض)

(۷) زندگی جب تک نیک کاموں کا ذریعہ نہ ہو، شائستہ نہیں کہلا سکتی۔ (حضرت علی رض)

(۸) مصیبت ہلاکت کے لیے نہیں بلکہ آزمائش کے لیے ہوتی ہے۔ (حضرت جعفر صادق رح)

(۹) جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو وہ درست ہے، تب تک کچھ نہ بولو۔ (حضرت شیخ سعدی رح)

(۱۰) محبت اور عداوت کبھی پوشیدہ نہیں رہتی! (سلطان محمود غزنوی رح)

(خادم حسین پردیسی، الریاض سعودی عرب)